نعیم صدیقی اور ''اقبال کا شعلہ نوا''

پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

جناب نعیم صدیقی کی طویل ادبی و دانش ورانہ زندگی کا حاصل، ان کا وہ کثیر الجہات اور متنوع ادبی و شعری ذخیرہ ہے، جس میں قریب قریب جملہ اصناف نظم و نثر کے عمدہ اور معیاری نمونے ملتے ہیں۔ شاعری میں حمد، نعت، غزل، پابند نظم، آزاد نظم (موضوعاتی اعتبار سے مذہبی، سیاسی، زندانی، رثائی، تاریخی، غرض ہر طرح کی منظومات) پھر قطعہ، رباعی وغیرہ...... نثر میں افسانہ، ڈراما، تمثیل، انشائیہ، سفر نامہ، مضمون (دینی، فقہی، سیاسی، تہذیبی، فکری، اقتصادی، وغیرہ) ادبی تنقید (نظری اور عملی) تبصرے، مزید برآں اداریہ نویسی، کالم نگاری...... وغیرہ۔

نعیم صاحب نے قرآن و حدیث، فقہ و شریعت اور سیاست و معیشت کے سنجیدہ، عمیق اور نازک مباحث پر بھی قلم اٹھایا ہے اور معاصر علمی و ادبی موضوعات پر بھی رہوار قلم کو متحرک رکھا ہے۔ ''کوثر''، ''تسنیم''، ''چراغ راہ''، ''سیارہ''، اور ''ترجمان القرآن'' کے فائل، ان کی گوناگوں علمی و ادبی کاوشوں کے گواہ ہیں۔ ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ نعیم صدیقی صاحب کو طنز و مزاح سے بھی علاقہ رہا۔ اس ضمن میں ایک مستقل مجموعے ''دفتر بے معنی'' کے علاوہ ان کی بہت سی طنزیہ اور مزاحیہ تحریریں، متذکرہ بالا اخبارات و رسائل میں منتشر ہیں۔ جناب نعیم صدیقی کے اس وسیع الاطراف ادبی ذخیرے کا تعارف و تجزیہ، ایک مفصل تحقیقی مطالعے کا محتاج ہے۔

جناب نعیم صدیقی کو علامہ اقبال اور ان کے فکر و فن سے بھی گہرا شغف رہا۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا جس قافلہ ادب کے سالار قافلہ حضرت علامہ اقبال ہیں' جناب نعیم صدیقی کا شمار' اسی قافلے کے سربرآوردہ اصحاب میں ہوتا ہے۔ ان کی شخصی' ادبی اور شعری زندگی پر حضرت علامہ کے وسیع اور گہرے اثرات نظر آتے ہیں (اور یہ پہلو بجائے ایک دلچسپ مطالعے کا موضوع بن سکتا ہے)۔ انھوں نے اقبال کی شخصیت اور فکر و فن پر بہت کچھ لکھا' فکر اقبال کو ادبی و علمی حلقوں میں روشن اور شعر اقبال کو نمایاں کیا۔

اقبال کو اپنے رنگ و روغن سے پینٹ کرنے والوں کی کوششوں کو بے نقاب کیا اور انہدام اقبال کے منصوبہ سازوں کو ناکام بنایا۔ ان کے جاری کردہ ادبی رسالے ''سیّارہ'' کا شاید ہی کوئی شمارہ اقبال اور اقبالیات کے ذکر سے خالی نظر آئے۔ ہمارے دوست پروفیسر جعفر بلوچ نے ''سیّارہ'' کو بجا طور پر ''مطالعہ اقبال کا ایک ناگزیر ماخذ'' قرار دیا ہے۔ اس اعتبار سے جناب نعیم صدیقی کا شمار' پاکستان کے نمایاں اقبال شناسوں میں ہونا چاہیے۔ ذیل میں ہم ان کی اس حیثیت کا ایک مختصر تعارف و تجزیہ پیش کر رہے ہیں:

اقبال اور اقبالیات پر جناب نعیم صدیقی کی علمی' تنقیدی' اور تجزیاتی تحریریں خوش قسمتی سے ''اقبال کا شعلۂ نوا'' کے عنوان سے یکجا ہو چکی ہیں۔ اس میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اقبال پر اظہار خیال اس مقصد سے کرنا کہ اس کے پیغام اور مقصد کو تلاش کیا جائے اور متعیّن شکل میں کیا جائے' کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے مرکزی قطعۂ گل تک پہنچنے کے لیے الجھی بیلوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ راستہ ایسا ہے کہ اس کے آس پاس ندیاں بہتی ہیں۔ آبشار بھی ہیں۔ عقاب کنجشکوں پر جھپٹ رہے ہیں۔ تتلیاں سبزے پر تھرک رہی ہیں۔ رات ہو تو جگنو بھی چمکتے ہیں' مگر اقدام وہی کر سکتا ہے کہ اندھیری رات میں جس کی آنکھ چیتے کی آنکھ کی طرح چراغ بن سکتی ہو۔ دریا بھی ہیں' طوفان بھی ہیں' موتی بھی' چٹانیں بھی۔ اور دل و نظر کے لیے ہر طرف ایسی کشش ہے کہ آدمی پکار اٹھتا ہے کہ جا ایں جاست'' (ص ۳۶)۔

چنانچہ آپ تنقید اقبال کے ستر سالہ ذخیرے پر نگاہ ڈالیں تو اس وادی کے نشیب و فراز میں' آپ کو گھاٹیاں' گھائیاں' گہرے کھڈ' ابھری نوکیلی چٹانیں' جھاڑ جھنکار' خار دار جھاڑیاں اور اس کے ساتھ ہی سرسبز و نرم ہموار میدان اور ان کے درمیان خوش نما کیاریاں اور چھوٹے بڑے لہلہاتے پودے اور ہنستے مسکراتے رنگا رنگ پھول نظر آئیں گے۔۔۔۔ ''اقبال کا شعلۂ نوا'' اقبالیات کے وسیع و عریض ذخیرۂ کتب میں سب سے الگ' منفرد اور ایک مختلف نوعیت کا مجموعہ ہے۔ مختلف نوعیت کا اس لیے کہ اقبال کی افہام و تفہیم اور تعبیر و توضیح کے لیے جناب نعیم صدیقی کا انداز و اسلوب روایتی نقادوں جیسا نہیں ہے۔ ''اقبال پر لکھنے کی ایک سستی ڈگر بن گئی ہے کہ دو سطریں لکھیں اور چار شعر اقبال کے درج کر دیے یا کوئی شعر اقبال کا پیش کیا' اور پھر اس کی تشریح کر دی۔'' محترم نعیم صدیقی نے عمداً اس ڈگر پر چلنے سے احتراز کیا

ہے کہ ان تحریروں کا مقصد نہ تو خود کو ' ماہرِ اقبالیات '' ثابت کرنا اور نہ اقبال شناس ہونے کا اِدعا پیش کرنا بلکہ ''اصل مقصود اقبال کی مدد سے اپنی تلاش وجستجو ہے''۔(دیباچہ)

''اپنی جستجو کی تڑپ'' برعظیم کی تمام ملی' اصلاحی اور اسلامی تحریکوں کے پس پردہ نظر آئے گی۔ ملّی اکابر کی ہمہ نوع کاوشوں اور سرگرمیوں کا ایک بڑا محرک بھی یہی تڑپ' یہی کرب اور یہی اضطراب ہے۔

میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
میری تمام سرگذشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

بقول نعیم صاحب:''ملّت نے اپنی جستجو کے سفر میں اس کے شعلۂ نوا کو بہترین قندیل پایا ہے۔''۔۔۔انہوں نے اس قندیل کی لَو اونچی کرنے اور اس قندیل کو ایوانِ ملّت میں محض آلۂ سجاوٹ یا Decoration Piece بنا کر رکھنے کے بجائے' اسے دلیلِ راہ اور راہبر سفر بنانے کی تلقین کی ہے۔۔۔ایسے عالَم میں' جب ہماری تہذیب وثقافت پر چاروں طرف سے بدیسی نظریات حملہ آور ہیں، مذہبی اقدار و روایات کی گرفت ڈھیلی پڑ رہی ہے، اور ہم بے یقینی کے سمندر میں ڈوب رہے ہیں، اقبال کی طرف رجوع ہماری ضرورت ہے اور مجبوری بھی۔۔۔''ہم ایک بار پھر اقبال کی طرف بے چینی کے ساتھ رجوع کر رہے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ہمیں ہیرو ورشپ کے اندھے جذبے کی تسکین مطلوب ہے۔ اس لیے بھی نہیں کہ ہم اس کی مے سخن سے کچھ خوش وقت ہونا چاہتے ہیں۔ صرف اس لیے کہ اقبال کے واسطے سے ہمیں اپنا سراغ ملتا ہے۔''(ص ۱۳)

اقبال کی فکرِ بلند اور اس کا شعرِ جمیل ہر چند علمی وادبی سفر میں بھی ایک قندیل ہے' مگر اس روشنی کے باوجود' اقبال پر لکھنے والوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ حالیہ برسوں میں کئی موضوعات نے اقبالیاتی مباحث کی شکل اختیار کی۔ اقبال اجتہاد اور تعبیر شریعت ، ناروے کی ناروا بحث' اقبال کا نفسیاتی مطالعہ' اقبال اور جمہوریت' اشتراکیت اور اقبال' اقبال اور لبرلزم۔۔۔مصنّف نے اس نوعیت کے جملہ مباحث سے اعتنا کرتے ہوئے فکرِ اقبال کے آئینے میں اصلیت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اقبال پر کلام کرنے والے کتنے ہی دانش وروں' نقادوں' بزرگوں اور ''ماہرینِ اقبالیات'' کی تعبیرات زیرِ بحث آتی ہیں۔ نیاز فتح

پوری، ڈاکٹر محمد یوسف گورایہ، سردار عبدالقیوم، ڈاکٹر جاوید اقبال، ڈاکٹر سلیم اختر، اور وحید عشرت وغیرہ ۔۔۔ ناموں سے قطع نظر کرتے ہوئے مصنف نے اسنادِ اقبال کے ساتھ، استدلال کے ذریعے غلطیوں، غلط فہمیوں اور غلط بیانیوں کو قطع کیا ہے۔

اقبال کی ''کثرتِ تعبیر'' سے غلط فہمیوں کی گنجایش کیوں نکلتی ہے؟ شاید اس لیے کہ ہم اقبال کو پارہ پارہ کر کے دیکھتے ہیں، اپنی اپنی عینک سے مطالعہ کرتے ہیں۔'' کلام اقبال میں سے ہر کوئی اپنی اپنی پسند کا جز و چھانٹتا ہے اور اسے من مانے معنی پہناتا ہے۔ چنانچہ اقبال وہ بھی ہے جو جمود پسندوں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ ایک اقبال وہ بھی ہے جو منکرینِ حدیث کا ہے، ایک اقبال ماڈرن ازم کا ہے، ایک اقبال ثقافتیوں کا ہے۔ ایک اقبال وہ ہے جسے چند روز تک ترقی پسندوں اور کمیونسٹوں نے اچھالا ہے۔ بعد میں وے افتادِ مشکلہا کی صورت پیش آئی تو پھر اقبال کی رجعت پسندی کے چرچے ہوئے۔ غرضیکہ لوگوں نے اقبال کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور ہر کسی نے اپنی پسند کی بوٹیاں نوچ لیں۔ اقبال ہی کا یہ شعر اس حالت پر صادق آتا ہے:-

اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

(ص ۴۴، ۴۵)

اس بنا پر جناب نعیم صدیقی کا یہ مطالبہ کچھ بے جا نہیں کہ: ''نگاہ پورے جہانِ اقبال پر ہونی چاہیے''۔ (ص ۳۷) ۔۔۔ اس مجموعے کے جملہ مضامین کو ملا کر پڑھا جائے تو جہانِ اقبال کا منظر پورے پس منظر کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

پورے جہانِ اقبال سے مراد یہ بھی ہے کہ مطالعۂ اقبال میں: ''آپ شاعری کے ساتھ نثر کو بھی رکھیں گے، جس میں تشکیلِ جدید کے فلسفیانہ مباحث بھی آئیں گے''۔ (ص ۳۸) اسی طرح ''خط و کتابت کا دفتر بھی بڑا اہم ہے''۔ (ص ۳۸) ۔۔ یہ وہ نکتہ ہے جو بہت سے معاصر اقبال مفسّروں اور ماہروں کی نظر سے اوجھل رہا ہے ۔۔۔

میں نے شروع میں زیرِ نظر کتاب کو ایک ''مختلف نوعیت کا مجموعہ'' قرار دیا تھا اس رائے یا دعویٰ کی تائید میں داخلی شہادت زیادہ معتبر و مستند ہوگی۔ چند جھلکیاں ملاحظہ کیجیے:

❁ اجتہاد کے مُبلّغین سے: ''حضرت! اجتہاد ضرور کیجیے گا، مگر مغرب کی ذہنی و معاشرتی (اور ایک حد تک مادّی) غلامی کی ذلّت آمیز تاریک وادی سے نکلنے کے لیے مخالف قوتوں کے خلاف جہاد بھی تو کیجیے۔ موجودہ حالتِ غلامی میں آپ جو اجتہاد فرمائیں گے، وہ غلامی کی زنجیروں میں کچھ اور کڑیوں کا اضافہ کر دے گا۔ اقبال نے جس جہاد میں ساری عمر کھپا دی اور کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی کی بھٹّی میں اس کی راتیں پگھل پگھل گئیں، اس جہاد کو آگے بڑھایئے، اس کی تکمیل کیجیے۔ بعد میں اجتہاد بھی ہوتا رہے گا۔'' (ص ۴۱)

❁ سوشلزم کے علمبرداروں سے: ''سوشلسٹوں کی جدلی مادیّت یہ کہتی ہے کہ حالات کی تبدیلی جن سابق تحریکوں اور تہذیبوں کو ختم کر دیتی ہے اور جن کے بجائے اقتصادی و طبقاتی محرّکات نئی قوتوں اور نظاموں کو لے آتے ہیں، وہ پھر دوبارہ نمودار نہیں ہو سکتیں۔ اس فلسفے کی رو سے کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اسلامی تہذیب یا اسلامی تحریک یا اسلامی تمدّنی رشتوں اور اسلامی قدروں کا ازسرِ نو کبھی ظہور ہو۔۔ سوشلزم نے تاریخ کا جو مادّہ پرستانہ جدلی نظریہ دنیا کے سامنے رکھا تھا، اور کئی سال سے مقلّد ذہنوں پر وہ بُری طرح چھایا ہوا تھا، اس کے پرزے بھی افغانستان ہی کی چٹانوں سے ٹکرا کے اڑے ہیں''۔ (ص ۲۶۹)

❁ اقبال کے نفسیاتی تجزیہ نگاروں سے: ''بدقسمتی سے ادب، تنقید، ثقافت اور دانشمندی کے دائروں میں چند سال سے ایک گروہ داخل ہو کر مارشل لا لگائے ہوئے ہے جس کے افراد سوچی سمجھی تکنیک کے خطوط میں سے ایک یہ ہے کہ ماضی و حال کی وہ تمام دینی، علمی اور ادبی بلکہ متصوّفانہ شخصیت بھی، جن کے دم سے تاریخ کی فضاؤں میں، مسلمانوں کا پورا ایک نظامِ شمسی بلکہ سلسلہ در سلسلہ کہکشاں در کہکشاں بنا ہوا ہے، انھیں بڑی خوب صورتی سے داغ دار اور بے وقر کر دیا جائے۔ یہ کام کچھ تو تاریخ کا حلیہ بگاڑنے سے ہو سکتا ہے، کچھ تاریخی ڈراموں اور کتابوں میں، جن میں تھوڑے سے واقعاتی عُنصر کے ساتھ اپنی تخلیقی باتوں کی آمیزش کی جا سکتی ہے اور کچھ سوانح نگاری اور شخصیتوں کی نفسیاتی تجزیہ کاری سے۔''

(ص ۲۸۹)

۞ ''مجھے یہ بات کہنے میں کوئی تامّل نہیں کہ باوجودیکہ پاکستان میں اقبال کے اثرات کو ختم کرنے اور اس کے سرمایۂ فکر وسخن کے متعلق پراگندگی پیدا کرنے کی سماعی نظریاتی' ادبی اور ثقافتی سطح پر بھی اور سیاسی اقتدار کی طرف سے بھی سالہا سال سے جاری ہیں' مگر آج بھی اقبال کا کلام ایک گھٹا بن کر پاکستان پر چھایا ہوا ہے' اور اس گھٹا میں اس کی فکرِ برق آسا اپنی لمعانیاں دکھا رہی ہے۔ بدقسمتی سے جو مخالفِ اقبال عنصر یہاں موجود ہے' کلام اقبال اور مقامِ اقبال کے بوجھ تلے وہ بھی دبا ہوا ہے۔ لوگ اس گھٹا کو پھونکوں سے اڑا دینے کی مضحکہ انگیز مساعی کر کرا کے تھک تھکا چکے۔'' (ص ۵۵)

اقبال کی شہرت اور کلام اقبال کی مقبولیت کے ضمن میں جناب نعیم صدیقی نے حاشیے میں ایک دلچسپ واقعہ نقل کیا ہے: ''محترمی ملک نصراللہ خاں عزیز مرحوم کے اخبار میں کام کرتا تھا تو وہاں ایک کم خواندہ چپراسی نے ایک دن اپنے والد کو ایک کارڈ لکھا جس میں اپنے والد ہی کے خلاف کچھ جھگڑے کی بات تھی۔ خط کا خاتمہ اس نے اس شعر میں کیا:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا (۵۵)

۞ اپنے قارئین اور وابستگانِ اقبال سے: ''ہمارے ہاں جو یوم اقبال منائے جاتے ہیں، وہ کچھ بے جان سی رسم بنتے جا رہے ہیں ۔ضرورت ایک ایسے یوم اقبال کی ہے جب کہ ساری قوم اور خصوصاً اس کے نوجوان یہ عزم باندھیں کہ فکری اور عملی دونوں لحاظ سے اقبال کے پیغام کا علمبردار بننا ہے ...... ہمارے ہاں مجالس اقبال بھی بکثرت ہیں، اور ان سب پر ایک مرکزی مجلس اقبال بھی سایہ فگن ،مگر ضرورت ایک ایسی مجلس اقبال کی ہے جس کے شرکا یہ طے کر کے کام کا آغاز کریں کہ ہمیں اقبال کے انسان مطلوب کے سانچے میں ڈھلنا ہے۔

ے گر، یہ نہیں تو بابا پھر سب کہانیاں ہیں'' (ص:۵۱)

''اقبال کا شعلۂ نوا'' جناب نعیم صدیقی کی چھوٹی بڑی ۳۵ تحریروں کا مجموعہ ہے۔ ان میں کئی کئی صفحوں کے تفصیلی مضامین بھی ہیں، تحقیقی مقالے بھی، تجزیاتی (اور ایک لحاظ سے جوابی) مضامین بھی، مختصر شذرے اور ''سیارہ'' کے اداریے بھی۔ مولانا مودودی اور ابن میری شمل سے انٹرویو، ایک مذاکرہ،

ایک تقریر، فرضی کرداروں کا ایک مکالمہ، ایک خط کا جواب اور آخر میں ایک نظم ...... اس طرح جملہ اصناف اقبالیات کا نمونہ لیے ہوئے، یہ مجموعہ ایک ایسی قندیل کی صورت میں آپ کے سامنے ہے، جس کی روشنی اوّل تو آپ کو شعر وفکر اقبال کے مشن سے آگاہ کرتی ہے اور ایسے اقبال شناسوں اور نقادوں سے بھی روشناس کراتی ہے، جو بظاہر اقبال سے تعلق خاطر اور محبت کا دم بھرتے ہیں، مگر ان کی تحریریں اپنے قارئین کے دلوں میں اقبال سے تعلق خاطر اور محبت کو بڑھاتی نہیں، گھٹاتی ہیں ...... جناب نعیم صدیقی نے ایسے اقبالیین کی دکھتی رگوں کو چھیڑا ہے، اور بہت صحیح گرفت کی ہے۔ اقبالیات کے تجزیوں اور کتابوں میں ایسا بہت کم ہوا ہے۔ یہ اس کتاب کی انفرادیت ہے۔

یہ کتاب اقبال دوستوں کو مایوس نہیں کرتی۔ ''اقبال کا شعلۂ نوا'' اپنے قارئین کو مایوس نہیں، بلکہ ان کی رہبری اور راہ نمائی کرتا ہے۔ بے یقینی اور ناامیدی کی تاریکی سے امید ورجا کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر فہم اقبال بھی حاصل ہوتا ہے، اور قاری اپنے ارادوں، ولولوں اور تمناؤں میں ایک تازگی، ایقان واستحکام اور سرشاری بھی محسوس کرتا ہے۔